25

# دل کا اطمینان کر کے سچائی کو قبول کرو اور قبول کرنے کے بعد استقلال سے کام لو

(فرمودہ 8 اگست 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"انسانی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ جب کبھی اس کے دل میں کوئی جوش پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے ماحول کے باہر سب چیزوں کو بالکل بھول جاتا ہے اور اس وقت اسے صرف یہی نظر آتا ہے کہ جو چیز میرے سامنے ہے۔ بس دنیا کی ساری خوبیاں اور ساری ترقیاں یا سارے تنزل اور ساری تباہیاں اسی سے وابستہ ہیں۔ گویا بچپن کی یہ خصلت بڑے ہو کر بھی انسان میں موجود رہتی ہے کہ جب کسی کھلونے پر بچے کا دل آتا ہے تو اس وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس اس کھلونے کے ملے بغیر میری زندگی ناممکن ہے۔ وہ روتا ہے، وہ چڑتا ہے وہ ماں کے ساتھ لڑتا ہے۔ وہ باپ سے اصرار کرتا ہے کہ بس مجھے یہ کھلونا مل جائے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ کھلونا اس کو نہ ملے تو اسے بخار چڑھ جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو بچے بیمار ہو کر مر جاتے ہیں جب ان کی کوئی خواہش پوری نہ ہو۔ اور بچے کی یہ کھلونے کی خواہش اتنی زبردست ہوتی ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو ماں بھی بچہ بن جاتی ہے۔ ایامِ حمل میں ماؤں کو ایک شدید خواہش پیدا ہوتی ہے

جسے پنجابی زبان میں ''اروئے'' کہتے ہیں۔یوں تو ان کو اس طرح کی شدید خواہش نہیں ہوا کرتی مگر جب حاملہ ہوتی ہیں کسی ایک چیز کی خواہش جو بعض دفعہ غیر معمولی طور پر مشکلُ الُحصول ہوتی ہے ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ تو وہ خواہش اتنی مضحکہ خیز ہوتی ہے کہ انسان سن کر حیران ہو جاتا ہے۔اگر اس وقت عورت کی وہ خواہش پوری نہ کی جائے تو سو میں سے پانچ سات یا دس کیس ایسے ہوتے ہیں کہ حمل گر جاتا ہے۔ بِالعموم عورتوں کو کسی نہ کسی کھانے کی خواہش ہوتی ہے مثلاً کبھی ایسا ہو گا کہ وہ کہے گی میرا سیب کھانے کو دل چاہتا ہے اور پھر اس کا دل اتنا چاہے گا اتنا چاہے گا کہ اسے خوشبو بھی سیب کی آئے گی اور کہے گی کہ مجھے سیب کی خوشبو آ رہی ہے اور جب تک اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو اس وقت تک وہ بے قرار اور مضطرب رہے گی۔ دوسرے ملکوں میں یہ بات ہے یا نہیں مگر ہمارے ملک میں بِالعموم عورتوں کو ایامِ حمل میں مٹی کھانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔کسی کو اس جگہ کی مٹی اچھی لگتی ہے جہاں کیچڑ نیا نیا لیپا گیا ہو، کسی کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ چولھے کی مٹی کھائے، کسی کا یہ جی چاہتا ہے کہ اگر کوئی کچا آبخورہ ہو تو اس کی ٹوٹی ہوئی مٹی کھاؤں۔ حتیٰ کہ چند دن ہوئے ایک شخص سے مَیں نے سنا جس سے مجھے سخت حیرت ہوئی کہ ایک عورت نے ایامِ حمل میں کُتّے کو پاخانہ چاٹتے دیکھا اور اس کا جی چاہا کہ وہ بھی اسی طرح کوئی چیز کھائے۔ چنانچہ اس کے دل میں اس کی اتنی شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اس نے چولہا بنا کر اور اس میں کڑھی ڈال کر کُتّے کی طرح چاٹی۔ مَیں سمجھتا ہوں بچے کے دل میں چونکہ شدید خواہش ہوتی ہے اورجب وہ کسی چیز کے پیچھے پڑتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں۔اس لئے ماں کے دل میں بھی بچے جیسی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور ایام حمل میں بچہ کے اثرات کی وجہ سے ماں بھی بچہ بن جاتی ہے۔ غرض بچوں کے دل میں جب وہ چھوٹے ہوتے ہیں کھلونے کی اتنی شدید خواہش ہوتی ہے کہ بعض دفعہ اس خواہش کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے وہ بیمار ہو کر مر جاتے ہیں۔

مگر دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان کے ماں باپ جب انہیں کھلونا لے دیتے ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ انہیں سنبھال کر رکھیں، ان کی قدر دانی کریں اور سمجھیں کہ ان کی وہ خواہش جس کے لئے انہوں نے گھر بھر کو سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ جب کھلونے کے ذریعہ پوری ہوئی ہے تو وہ اسے احتیاط سے رکھیں بلکہ اسی وقت اسے توڑنے لگ جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرتا کہ وہ اس کھلونے کو اٹھا کر پرے پھینک دیتے ہیں اور ماں سے کہتے ہیں ہمیں یہ مطلوب نہیں۔

یہی فطرت بعض انسانوں میں بھی جب ان کی صحیح تربیت نہیں ہوتی جوانی کے ایام میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہ بڑے ہو جاتے ہیں مگر فطرتاً بچے ہی ہوتے ہیں اور جب دنیا میں مختلف کام ان کے سامنے آتے ہیں تو کوئی نہ کوئی خواہش ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی خواہش جائز ہے یا ناجائز، پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ بلکہ وہ دیوانہ وار اس کے حصول میں لگ جاتے ہیں اور بسا اوقات جب وہ چیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے بعد انہیں اس کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں رہتی بلکہ بعض دفعہ تو اس کے ساتھ ایک قسم کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے قادیان میں ایک دوست ہیں۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے تو وہ نیم مجنون ہونے کی حالت میں قادیان آئے اور انہیں مدرسہ میں لڑکوں کو پڑھانے پر لگا دیا گیا۔ میرے ایک ساتھی نے مجھے ایک دفعہ خاص طور پر ان کے متعلق بتایا کہ انہیں یہ جنون ہے کہ وہ ایک خاص لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر اس جگہ میری شادی نہ ہوئی تو بس تباہی آ جائے گی۔ پھر اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ وہ روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو رقعے لکھتے کہ دعا کریں میری اس جگہ شادی ہو جائے۔ حضرت خلیفۃُ اول ان کا علاج بھی کرتے رہے اور دوست ان سے تمسخر بھی کرتے اور انہیں منع بھی کرتے۔ مگر ان کا جنون نہ جانا تھا نہ گیا۔ آخر ان کی شادی ہوئی اور وہیں ہوئی جہاں وہ چاہتے تھے۔ پھر اس عورت سے

ان کی اولاد بھی پیدا ہوئی مگر مجھے ہمیشہ یہ دیکھ کر گزشتہ تمام نظارہ یاد آ جاتا ہے کہ باپ اب اپنی اولاد کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں۔ ان کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ اچھا نیک اور مخلص احمدی ہے۔ ایک دفعہ یہاں آیا اور اس نے مجھے لکھا کہ مَیں بیمار ہوں اور مسلول ہوں۔ اس بیماری اور مسلول ہونے کی حالت میں مجھے خیال آیا کہ قادیان کی زیارت کر آؤں۔ معلوم نہیں کتنی زندگی باقی ہے۔ وہ اپنے باپ کے گھر گیا تو باپ نے اسے گھر میں ٹھہرنے نہ دیا۔ پھر وہ مہمان خانہ میں گیا تو اس کے باپ نے مہمان خانہ والوں کو لکھا کہ میرے اس لڑکے کو فوراً مہمان خانہ سے نکال دیا جائے۔ یہ نہیں کہ اس لڑکے میں کوئی عیب پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس نے ایسا سلوک کیا۔ وہ لڑکا نہایت اچھا اور نیک ہے مگر اس کے باپ کے دماغ کی کوئی کل ایسی بگڑی ہے کہ وہ اسے اپنے ہاں نہیں ٹھہرا سکتے حالانکہ ہمیں معلوم ہے یا تو وہ نیم پاگل حالت میں قادیان میں ہجرت کر کے آئے تھے اور ہجرت بھی انہوں نے ایک عورت کی خاطر کی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے مَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ [1] کہ جو دنیا کی خاطر یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کرے اس کی ہجرت خدا اور رسول کے لئے نہیں بلکہ دنیا اور عورت کے لئے سمجھی جائے گی۔ انہوں نے بھی اس لئے ہجرت کی کہ کسی طرح اس عورت سے شادی ہو جائے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام سے دعائیں کرائیں اور بار بار لکھا کہ حضور دعا کریں میری فلاں جگہ شادی ہوجائے۔ پھر شادی ہوگئ اور اس شادی کے نتیجہ میں اولاد بھی پیدا ہوئی مگر اسی محبوبہ کی اولاد سے پھر ان کی اتنی دشمنی ہوئی کہ وہ اس کا سامنے آنا تک پسند نہیں کرتے۔ اب یہ وہی مرض ہے جو بچپن کی حالت میں انسان کے اندر ہوتا ہے۔ پہلے بچہ شور مچاتا ہے کہ مَیں نے کھلونا لینا ہے اور جس طرح بھی ہو اُسے حاصل کرنا ہے پھر جب وہ کھلونا اسے مل جاتا ہے تو نہایت بے پروائی کے ساتھ اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔ اسی قسم کی اور ہزاروں ہزار مثالیں دنیا میں ملتی ہیں اور ایسے

ایسے عجیب واقعات نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت آتی ہے۔خود مجھے جماعت کے کئی لوگ دعاؤں کے لئے لکھتے رہتے ہیں اور ایسے شدید اضطراب کے ساتھ لکھتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے اگر ان کی خواہش پوری ہو گئی تو ہمیشہ کے لئے ان کو سکونِ قلب اور اطمینان حاصل ہو جائے گا مگر جب ان کی خواہش پوری ہو جاتی ہے اور جس چیز کے حصول کے لئے وہ پے در پے دعاؤں کے لئے لکھتے ہیں انہیں مل جاتی ہے تو انہیں اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں رہتی۔ تمام ولولے ختم ہو جاتے ہیں، تمام جوش سرد پڑ جاتے ہیں اور ان کی تمام خواہشیں مٹ جاتی ہیں۔یہی وہ مرض ہے جس سے بے استقلالی پیدا ہوتی ہے۔بے استقلالی درحقیقت اسی قسم کی حالت کا جو جنون کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے ایک چھوٹا درجہ ہے اور بے استقلالی اسی کا نام ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ پھر اس سے دوستی پیدا کر لیتا ہے مگر چند دنوں کے بعد ہی اس دوستی کو توڑ دیتا ہے۔ایک عقیدہ کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بڑا اچھا عقیدہ ہے چنانچہ اس عقیدہ کو اختیار بھی کر لیتا ہے مگر چند دنوں کے بعد ہی اس عقیدہ کو ترک کر دیتا ہے۔ایک مذہب کو دیکھتا ہے تو اس کی خوبیوں کا فریفتہ ہو جاتا ہے مگر چند دنوں کے بعد ہی اس کا تمام جوش وخروش جاتا رہتا ہے اوراسی مذہب میں اسے سینکڑوں نقائص اور عیوب نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ سینکڑوں مثالیں اس قسم کی ملتی ہیں کہ لوگ آئیں گے اور بڑے جوش سے اپنی عقیدت کا اظہار کریں گے۔ کہیں گے ہمیں تو ایک موتی مل گیا، ایک لاثانی جوہر ہم کو حاصل ہو گیا، اطمینانِ قلب جو برسوں سے ہمیں میسر نہیں تھا آج خدا نے ہمیں عطا کر دیا۔دل کو تسکین حاصل ہو گئی۔خدا نے ایک نور ہمارے اندر بھر دیا اور ہمیں احمدیت کیا ملی ہمیں تو خدا مل گیا، ہمیں خدا کا رسول مل گیا۔

غرض ان کی حالت کو اس وقت دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیا ابو بکرؓ ہمارے سلسلہ میں داخل ہو رہا ہے، ایک نیا عمرؓ ہمیں خدا دے رہا ہے۔ایک نیا عثمانؓ ظاہر ہو رہا ہے یا ایک نیا علیؓ ہمیں دکھائی دے رہا ہے۔ مگر تین چار ماہ کے بعد

ہی اسے اس جوہر میں شگاف دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔ موتی اسے گدلا نظر آنے لگ جاتا ہے۔ اطمینانِ قلب اس کے ہاتھوں سے کھویا جاتا ہے۔ نہ اس کی نمازوں میں جوش رہتا ہے نہ اسے عبادت میں رغبت رہتی ہے نہ اسے جماعت کے افراد میں کوئی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اگر اسے دکھائی دیتا ہے تو بس یہ کہ فلاں میں یہ نقص ہے، فلاں میں وہ عیب ہے، فلاں ایسا بُرا ہے اور فلاں ایسا بُرا ہے۔ گویا جہاں سے چلا تھا وہیں آ جاتا ہے۔ پھر اس کی طبیعت چاہتی ہے کہ اب مجھے کوئی اور کھلونا مل جائے۔ یہ نہیں کہ ایسے لوگ مرتد ہو جاتے ہیں۔ کئی مرتد بھی ہو جاتے ہیں مگر جو مرتد تو نہیں ہوتے ان کے دل کا اخلاص جاتا رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے ذہن میں پہلے کسی چیز کا نقشہ بنایا ہوُا ہوتا ہے۔ پھر ان کے اس جنون کا دو طرح اظہار ہوتا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ مجنونانہ طور پر انہوں نے کوئی غلط معیار قائم کیا ہوُا ہوتا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ان کے معیار پر کوئی چیز اتری تو اسے وہ مان لیں گے اور اگر ان کے معیار کے مطابق نہ ہوئی تو اسے رد کر دیں گے۔ حالانکہ وہ معیار ان کے خود تراشیدہ ہوتے ہیں۔ مثلاً دنیا میں جب خدا تعالیٰ کسی دینی سلسلہ کو قائم کرے گا تو لازماً اسے اپنی سنت کے مطابق چلائے گا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اسے لوگوں کی خواہشات کے مطابق چلائے۔ جو طریق خدا تعالیٰ کا نوحؑ کے وقت رہا، جو طریق خدا تعالیٰ کا ابراہیمؑ کے وقت رہا، جو طریق خدا تعالیٰ کا موسیٰؑ کے وقت رہا، جو طریق خدا تعالیٰ کا عیسیٰؑ کے وقت رہا اور جو طریق خدا تعالیٰ کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت رہا وہی طریق اس کا اب بھی ہو گا اور جس منہاج پر پہلے سلسلوں کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا اسی منہاج اور طریق پر اب الٰہی سلسلے قائم ہوں گے اور الٰہی جماعتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی ہوتے ہیں۔ پھر ان کمزور لوگوں میں سے کچھ تو پھسل جاتے ہیں۔ کچھ پھسلتے پھسلتے سنبھل جاتے ہیں۔ کچھ مصائب کے تھپیڑے کھا کر اصل راستہ پر چل پڑتے ہیں اور کچھ مرتد ہو جاتے ہیں۔ یہی طریق خدا تعالیٰ کا

ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اور ہمیشہ چلتا چلا جائے گا مگر وہ جو اپنے آپ کو ہٹلرِ زماں سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد نیکی کے ایک معیار پر ہوں ان کا ایک لیول ہو، ان سب میں ایک قسم کی قربانی کی خواہش پائی جاتی ہو۔ سب میں نیکیوں کا ایک جیسا جوش ہو۔ اور کوئی نقص اور کمزوری ان میں سے کسی میں دکھائی نہ دیتی ہو۔

غرض ان کا پہلا جنون تو یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا پر حاکم بننا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ الٰہی سلسلے ان کے معیار کے مطابق ہوں۔ خدائی طریق کے مطابق نہ ہوں۔ پھر دوسرا جنون ان کا یہ ہوتا ہے کہ جب وہ ایک سلسلہ کو دیکھتے ہیں تو اندھے ہو جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ جو باتیں ان کے ذہن میں ہوتی ہیں وہ اس سلسلہ کے تمام افراد میں موجود نہیں ہوتیں۔ پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھ لیا۔ یہ سلسلہ بالکل سچا اور خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے پھر مہینہ ڈیڑھ مہینے کے بعد جب ان کا جنون دور ہوتا ہے تو انہیں لوگوں میں وہ کمزوریاں بھی نظر آنے لگ جاتی ہیں جو مومنوں کی جماعتوں میں بھی ہوتی ہیں، انہیں وہ منافق بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں جو ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں، انہیں وہ مرتد بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں جو ہمیشہ الٰہی جماعتوں سے کٹ کر علیحدہ ہوتے رہے ہیں اور کہتے ہیں ہم سے بڑا دھوکا ہوا ہم سمجھے کچھ اور تھے اور نکلا کچھ اور۔ حالانکہ قرآن موجود ہے۔ تم اسے پڑھ کر دیکھ لو کیا دنیا میں کبھی کوئی جماعت ایسی ہوئی ہے جس میں کمزور لوگ نہ پائے گئے ہوں جس میں منافق نہ ہوں اور جس میں مرتدین کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ رسول کریم ﷺ کی جماعت سے بڑھ کر اور کونسی جماعت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمیں تو رسول کریم ﷺ کی جماعت میں بھی منافق نظر آتے ہیں۔ آپ کی جماعت میں بھی سست لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی جماعت میں بھی گالیاں دینے والے نظر آتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی چست اور مخلص لوگ بھی آپ کی جماعت میں نظر آتے ہیں۔ پھر اگر یہی باتیں کسی اور جماعت میں پائی جائیں

تو یہ امر اس کے جھوٹا ہونے کی کس طرح دلیل ہو سکتا ہے۔

آخر دین منتر جنتر تو ہوتا نہیں کہ پھونک ماری اور انسان کو ولی بنا دیا۔ دین تو متواتر اور پے در پے قربانی کرنے کا نام ہے۔ جس طرح ہیرے کو ایک ماہرِ فن چھیل چھیل کر درست کرتا ہے اور بعض دفعہ ایک ایک ہیرا سال سال میں ٹھیک ہوتا ہے اسی طرح انسانوں کی اصلاح پر وقت لگتا ہے بلکہ ہیرا تو پتھر کا ہوتا ہے اسے اگر درست کرنے میں ایک سال لگ سکتا ہے تو انسان استقلال سے اگر اپنے نفس کی درستی اور اصلاح میں لگ جائے اور اس پر دس بیس سال بھی صرف ہو جائیں تو اس میں حرج کیا ہے۔ مگر وہ لوگ قلوب کی اصلاح کے لئے اتنا وقت بھی نہیں دینا چاہتے جتنا ایک ہیرے کی درستی پر صَرف ہوتا ہے حالانکہ ہیرا ایک پتھر ہوتا ہے جس کے نقائص نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ کہیں پوشیدہ نہیں ہوتے پھر بھی باریک ریتی سے اس کی درستی پر سال سال لگ جگ جاتا ہے بلکہ بعض ہیروں کو درست کرنے پر تو کئی سال صرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن انسان اپنے متعلق یہ چاہتا ہے کہ جب وہ کسی سلسلہ میں داخل ہو تو اسے ایسی پھونک ماری جائے کہ اسی وقت اس کی اصلاح ہو جائے پھر ہیرا تو مقابلہ نہیں کرتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے مت چھیلو مَیں اس کے لئے تیار نہیں مگر انسان بسا اوقات مقابلہ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص غلطی کرتا ہے اور اس کی اصلاح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسے سزا دی جائے مگر وہ کہتا ہے مَیں سزا برداشت نہیں کروں گا۔ ایک اور شخص غلطی کرتا ہے اور اس کی اصلاح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس سے سلسلہ کا زیادہ کام لیا جائے مگر وہ انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے مَیں زیادہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ایک اور شخص غلطی کرتا ہے اور اس کی اصلاح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ خاص رنگ میں مالی قربانی کرے مگر وہ مالی قربانی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص غلطی کرتا ہے اور نظام سلسلہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو بعض خاص قیود کے ماتحت لائے مگر وہ کسی قسم کی قید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اب بتایا جائے کہ ایسے انسان سے

کوئی کس طرح کام لے سکتا اور کس طرح اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی درستی کی جب خدا بھی ذمہ داری نہیں لیتا تو بندہ کس طرح ان کی اصلاح کی ذمہ داری لے سکتا ہے؟ یوں تو بندہ کسی کا بھی ذمہ دار نہیں لیکن اگر بندہ کسی کی ذمہ داری لے سکتا ہے تو اسی شخص کی جو اپنے آپ کو بے جان کی طرح ڈال دے اور جماعتی فیصلہ کو صحیح تسلیم کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس رنگ میں اصلاح کے لئے سپرد نہ کرے اور بیس سال تک بھی صحبت میں رہے تو اس کی وہ صحبت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آخر مدینہ کے منافقین آٹھ آٹھ نو نو سال رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی صحبت میں رہے تھے مگر ان کی اصلاح نہ ہوئی اس لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سپرد نہیں کیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں اصلاح کریں بلکہ ہمیشہ ان کا یہی طریق رہا کہ جو بات ان کے منشاء کے مطابق ہوتی اسے مان لیتے اور جو منشاء کے مطابق نہ ہوتی اسے رد کر دیتے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی ایسے لوگوں کی اصلاح کا ذمہ نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ باوجود اس بات کے کہ جماعت کے بعض لوگ پندرہ پندرہ بیس بیس سال آپ کی صحبت میں رہے وفات کے قریب آپ نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہوں نے ہم کو دیکھا ہمارے دعویٰ کو سمجھا اور ہمیں سچے دل سے مان لیا مگر ایک دوسرا گروہ وہ ہے جس نے ہمیں نہیں دیکھا بلکہ مولوی نور الدین صاحب کو دیکھا اور ان کے علم، ان کی خدمات اور ان کی بنی نوع انسان سے ہمدردی کو دیکھ کر سینکڑوں آدمی جو اُن کے دوست تھے احمدیت میں شامل ہو گئے اور انہوں نے سمجھا کہ جب مولوی نور الدین صاحب احمدی ہو گئے ہیں تو ضرور یہ سلسلہ سچا ہو گا۔ پس ان کا ہمارے ساتھ تعلق مولوی صاحب کے طفیل ہے۔ اگر خدانخواستہ مولوی صاحب کسی ابتلاء میں آ جائیں تو ان کو بھی ابتلاء آجائے گا۔ پھر فرمایا تیسرا گروہ اُن نوجوانوں کا ہے جو اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جوش تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کوئی کام کر کے دکھائیں مگر انہیں کوئی

جماعت نظر نہیں آتی تھی جس میں شامل ہو کر وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر سکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جماعت احمدیہ کی صورت میں ایک بنا بنایا جتھہ موجود ہے اور اس میں قربانی اور ایثار کا مادہ پایا جاتا ہے تو وہ اس جماعت میں شامل ہو گئے تاکہ اس سامان سے فائدہ اٹھا کر جو اس جماعت کے پاس ہیں وہ ایک مضبوط انجمن بنائیں اور دُنیوی انجمنوں کی طرح سلسلہ کے کاروبار کو چلائیں۔ غرض آپ نے فرمایا۔ یہ تین قسم کے گروہ ہماری جماعت میں پائے جاتے ہیں اور واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ یہی تین قسم کے گروہ ہماری جماعت میں تھے۔

پس یہ بات کہ انسان اپنے آپ کو اصلاح کے لئے سپرد نہ کرے۔ ترقی میں بہت بڑی روک ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہو تو اس کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے مثلاً وہی گروہ جس کا جماعت سے تعلق حضرت خلیفہ اول کی وجہ سے تھا۔ اس کے لئے ٹھوکر کا امکان تھا۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے کہ ان کا تعلق ایک ایسے آدمی کے ساتھ تھا جو خدا کا پیارا تھا اور چونکہ حضرت خلیفہؓ اول خود خدا تعالیٰ کے پیارے تھے اس لئے ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی ٹھوکر سے بچ گئے لیکن فرض کرو ان کا تعلق کسی اور شخص مثلاً عبد الحکیم مرتد سے ہوتا تو جب عبد الحکیم کو ٹھوکر لگی تھی اسی وقت ان کو بھی لگ جاتی۔ یہ تو حسنِ اتفاق ہے کہ ان کا تعلق ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوُا جو خدا تعالیٰ کا محبوب بندہ تھا اور جس نے اس قسم کی ٹھوکروں اور ابتلاؤں سے محفوظ رہنا تھا۔ لیکن دوسری جماعت پھسلی اور بُری طرح پھسلی۔ جب اس جماعت کے افراد نے دیکھا کہ اب ان کا وہ جوش و خروش کہ جماعت ایک انجمن کے ماتحت ہو اور اس کا نظام ویسا ہی ہو جیسے یورپین اقوام کا نظام ہوتا ہے پورا نہیں ہوُا تو انہوں نے ایک نیا مشغلہ اختیار کر لیا چنانچہ اب رات اور دن وہ قادیان اور قادیان والوں کو گالیاں دیتے رہتے ہیں اور کُجا تو یہ حالت تھی کہ وہ قادیان سے ایک دن کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور کُجا ان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں (نعوذ باللہ) قادیان دمشق ہے۔ قادیان میں

یزیدی رہتے ہیں۔ قادیان میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ قادیان والے ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ قادیان والے قرآن کریم کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ اور "قادیانی خلیفہ (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ ﷺ کا بد ترین دشمن ہے"[2] گویا وہی مثال ہے جس طرح بچہ ایک کھلونے کو بڑے اشتیاق سے لیتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ اس کا مقصد اس کھلونے سے حاصل نہیں ہؤا تو اسے توڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے مقاصد بھی جب پورے نہ ہوئے تو ہٹ گئے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ باقی بچوں کو بھی اپنے بچپن کے اس قسم کے واقعات یاد ہیں یا نہیں مگر مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں نے بچپن میں ریل کی شدید خواہش کی۔ مَیں اپنے اندازہ کے مطابق سمجھتا ہوں کہ بچہ کو دور سے جو کھلونا نظر آتا ہے اس کے متعلق وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کوئی حقیقی چیز ہے مگر جب اسے حاصل کر کے معلوم کرتا ہے کہ وہ حقیقی چیز نہیں تو اسے پھینک دیتا ہے۔ مَیں نے بھی چونکہ ریل دیکھی ہوئی تھی اس لئے میرا اندازہ تھا کہ جس ریل کی مَیں خواہش کر رہا ہوں وہ بھی ریل کا کچھ نہ کچھ کام ضرور کرے گی اور مَیں اپنے بچپن کی سادگی سے یہ خیال کرتا تھا کہ اگر زیادہ نہیں تو وہ ایک آدمی کو تو ضرور اٹھا لے گی چنانچہ مجھے یاد ہے مَیں نے اسے کنجی دے کر اس پر پیر رکھنے کی کوشش کی مگر اس پر آ نہ سکا۔ وہ ریل بھی کچھ بڑی تھی اس لئے مَیں نے اس پر ایڑی رکھ دی مگر میرے ایڑی رکھتے ہی وہ گاڑی کچل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس پر مَیں نے سمجھ لیا کہ یہ چیز میرے کام کی نہیں۔ چنانچہ مَیں نے اس کو پرے پھینک دیا۔ اپنے ذہن میں مَیں یہ خیال کرتا تھا کہ ہم مٹی کے گھر بنانے کے لئے اس پر مٹی ڈھو کر لایا کریں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں یہی خیال عام طور پر بچوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ دور سے کسی کھلونے کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم اس سے کام لیں گے۔ ریل کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ نہ کچھ ریل کا کام ضرور دے گی اور اگر زیادہ آدمی نہیں تو ایک آدمی تو اس میں ضرور بیٹھ سکے گا۔ گھوڑے کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ نہ کچھ بوجھ ضرور اٹھائے گا مگر

جب دیکھتے ہیں کہ یہ کھلونے نہ سواری کے کام آتے ہیں نہ بوجھ اٹھانے کے تو دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے بچپن میں مَیں نے ایک دفعہ مٹی کی چھوٹی سی چکّی خریدی اور پیسنے کے لئے اس میں چند دانے ڈال دیئے پھر مَیں نے اسے چلایا تو دانے اندر ہی پھنس گئے اس پر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ چکی دانے نہیں پیس سکتی تو اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ باقی بچوں کے دلوں میں بھی یہی خیال آتا ہو گا اور چونکہ جو مقصد انہوں نے اپنے ذہن میں رکھا ہوتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا اس لئے کھلونوں کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ بچوں کی اپنی غلطی ہوتی ہے۔کیا کوئی کھلونے بیچنے والا یہ کہا کرتا ہے کہ یہ چکیاں دانے پیسیں گی یا گھوڑے چلیں گے یا ریل بوجھ اٹھائے گی۔وہ ان کو کھلونے ہی کہتا ہے مگر نادان بچہ یہ سمجھ کر کہ ان کھلونوں سے سواری کا یا بوجھ اٹھانے کا یا دانے پیسنے کا کام لیں گے ان کے حصول پر اصرار کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ وہ اس کے خیال کے مطابق نہیں نکلے تو انہیں پھینک دیتا ہے۔

اسی طرح مذہبی جماعتوں میں داخل ہوتے وقت بھی بعض لوگ عجیب و غریب خیالات لے کر آتے ہیں۔کئی لوگ ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ادھر وہ جماعت میں داخل ہوئے اور جماعت کے تمام لوگ ایک ایک یا دو دو روپیہ چندہ جمع کر کے انہیں آٹھ دس ہزار روپیہ دے دیں گے۔چنانچہ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ جب بیعت کر کے جاتے ہیں تو آٹھویں دن ہی ان کی طرف سے خط آ جاتا ہے کہ ہمیں روپیہ کی سخت ضرورت ہے اگر آپ آٹھ آٹھ آنے یا ایک ایک روپیہ بھی تمام جماعت کے لوگوں سے ہمارے لئے چندہ جمع کروا دیں تو دس ہزار روپیہ اکٹھا ہو سکتا ہے اور ہماری تمام ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔گویا وہ پہلے ہی اپنے خیال میں جماعت کا ایک نقشہ کھینچ لیتے ہیں اور اسی خیال کے زیر اثر جماعت میں شامل ہوتے ہیں لیکن جب ان کی امید پوری نہیں ہوتی تو کہتے ہیں ہم نے

جماعت کو خوب دیکھ لیا ہم تو اس کے اندر رہ کر اس کی حقیقت معلوم کر چکے ہیں۔ یہ سارے ابتلاء درحقیقت بے استقلالی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنے نفس کو روکے اور اسی وقت کسی عقیدہ اور مذہب کو تسلیم کرے۔ جب وہ سمجھے کہ واقع میں فلاں عقیدہ یا فلاں مذہب صحیح ہے۔ جذبات کے ماتحت کام نہ کرے تو اس قسم کی ٹھوکریں اسے ہرگز نہ لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی شخص بیعت کرنے کے لئے آتا ہے تو مَیں ہمیشہ اسے کہا کرتا ہوں کہ ابھی سوچو اور غورو فکر سے کام لو اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ بھی کرو۔ لیکن جماعت کے عام لوگوں کا یہ دستور ہے کہ ادھر وہ تبلیغ کرتے ہیں اور اُدھر کہتے ہیں بیعت کر لو۔ اس لغویت کا سب سے بڑھ کر نمونہ ایک دفعہ سفر سندھ میں مَیں نے دیکھا۔ گجرات کے ایک دوست تھے جن کو دفتر والوں نے خدمت کے لئے اپنے ساتھ لے لیا جہاں گاڑی کھڑی ہوتی وہ حفاظت اور پہرہ کے لئے میرے قریب آ جاتے۔ اتفاقاً کسی سٹیشن پر انہیں ایک گجراتی مل گیا۔ اس نے کسی دوسرے سے کوئی بات کی جس پر انہوں نے اس کی آواز اور لب و لہجہ سے پہچان لیا کہ یہ گجراتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے بلایا اور جس طرح ہمارے ملک میں طریق ہے کہ پوچھا جاتا ہے تم کدھر جا رہے ہو دوسرا کہتا ہے تم کدھر جا رہے ہو۔ اسی طرح انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا۔ اس شخص نے بتایا کہ مَیں نوکری کی تلاش میں ادھر آیا ہوں۔ اور انہوں نے میرا نام لیا اور کہا کہ مَیں ان کے ساتھ آیا ہوں۔ پھر انہوں نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے چلو حضرت صاحب کو اپنے لئے دعا کرنے کے لئے کہو۔ اب اس بے چارے کو نہ یہ پتہ کہ دعا کیا ہوتی ہے اور نہ یہ علم کہ مَیں کون ہوں۔ مگر یہ خیال کر کے کہ اس کا ایک ہم وطن اس کو یہ تحریک کر رہا ہے اس کے ساتھ چل پڑا اور میرے قریب آ کر وہ دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ یہ دعا کے لئے عرض کرتے ہیں۔ اس نے بھی شرم سے ایک دو فقرے کہہ دیئے۔ اس کے بعد وہ بڑے اطمینان سے اسے کہنے لگے بیعت کر لینی اچھی ہوتی ہے بیعت کر لو۔ مَیں نے

بعد میں انہیں سمجھایا کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے اسے تو کچھ بھی پتہ نہیں کہ احمدیت کیا ہوتی ہے۔اس کی بیعت تو سلسلہ کے لئے ایک وبال بن جائے گی۔ مگر وہ جوش میں یہی کہتے چلے جائیں کہ "نہیں جی بیعت چنگی ہی ہوندی ہے۔"یعنی جناب بیعت بہر حال اچھی ہوتی ہے۔

یہ وہی بچپن والی خاصیت ہے جو عدمِ تربیت کی وجہ سے بڑے ہو کر بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور انسان کے دل میں جب کوئی خواہش پیدا ہو تو قطع نظر اس کے کہ اس خواہش کے پورا ہونے کا کوئی موقع او رمحل ہو یا نہ ہو وہ چاہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اس کی خواہش پوری ہو جائے۔حالانکہ ایسی خواہش کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں کیا کرتی۔ مثلاً اگر کسی کا پیٹ بھرا ہؤا ہو او رپھر بھی وہ اور کھانے کی خواہش کرے تو وہ کھانا اس کے جسم کو لگے گا نہیں بلکہ بسا اوقات اسے قے ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک شخص نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں اوراس کے دل میں خواہش پیدا ہو کہ وہ اَور کپڑے پہن لے تو اگر گرمی کا موسم ہو گا تو وہ گرمی سے مرے گا اور اگر سردی کاموسم ہو گا تو بوجھ سے مرے گا۔

غرض ہر خواہش کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا اورنہ ہر خواہش اچھی ہوتی ہے۔انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر خواہش کے پیدا ہونے پر سوچے اور غور کرے کہ وہ اچھی خواہش ہے یا بری۔ اگر بری ہے تو اس کو ترک کر دے اور اگر اچھی ہے تو اس وقت کا انتظار کرے جب اس کی خواہش پوری ہو سکتی ہو اور جب اس کی خواہش پوری ہونے لگے تو وہ یہ سوچے کہ جو چیز اسے حاصل ہوئی ہے کیا یہ وہی ہے جس کی اس کے دل میں خواہش تھی یااس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے کیونکہ جو خواہش مادیات کے ساتھ تعلق نہ رکھتی ہو اس کے متعلق یہ پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ خواہش صحیح رنگ میں پوری ہوئی ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک آدمی کے دل میں اگر کپڑے کی خواہش پیدا ہو تو وہ آسانی کے ساتھ دکان پر جا کر لٹھا یا ململ خرید سکتا ہے مگر جو چیزیں قلوب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں وہ آسانی کے ساتھ

پہچانی نہیں جا سکتیں۔ تم آسانی کے ساتھ لٹھا پہچان سکتے ہو، تم آسانی کے ساتھ ململ پہچان سکتے ہو مگر تم آسانی کے ساتھ عقائد اور روحانیت کو نہیں پہچان سکتے بلکہ بعض دفعہ تو دو دو چار چار سال کی تحقیق کے بعد انسان پر اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام لوگوں کو استخارہ کا حکم دیا کرتے تھے اور جب کوئی شخص بیعت کرنا چاہتا تو فرماتے اَور سوچو۔ میرا بھی یہی طریق ہے کہ مَیں بیعت میں شامل ہونے والوں کو مزید غور و فکر اور استخارہ کی تاکید کیا کرتا ہوں۔

کچھ عرصہ ہوُا ایک دوست جو فوج میں ڈاکٹر تھے میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں مَیں نے ان سے کہا آپ کو ہمارے سلسلہ کا کس طرح پتہ لگا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے بعض احمدی دوست ہیں جن کی وجہ سے انہیں سلسلہ کا پتہ لگا۔ مَیں نے کہا اس طرح تو مکمل علم حاصل نہیں ہو سکتا یہاں آنے کی آپ کو اور کس طرح تحریک پیدا ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ مَیں نے سلسلہ کی بعض کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ چنانچہ چند کتابوں کا انہوں نے نام لیا۔ مَیں نے کہا ابھی آپ اور کتابیں پڑھیں اور استخارہ بھی کریں۔ اس کے بعد بیعت کریں۔ وہ کہنے لگے میری یہ شدید خواہش ہے کہ مَیں آپ کی بیعت کر لوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مَیں جنگ پر جانے والا ہوں اور موت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب آ جائے اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کی بیعت کر لوں ممکن ہے مَیں جنگ میں ہی مر جاؤں اور پھر اس سعادت سے محروم رہوں۔ مَیں نے کہا آپ کی یہ خواہش تو بڑی نیک ہے مگر اس کے لئے اس وقت بیعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ سرِ دست سلسلہ کی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہیں جس وقت بھی آپ کو یقین پیدا ہو گیا کہ احمدیت سچی ہے اور جس وقت بھی آپ کو یقین پیدا ہو گیا کہ بیعتِ خلافت ضروری ہے اسی وقت آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک مومنوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ پس جلدی کی

ضرورت نہیں۔ آپ بے شک میدان جنگ میں چلے جائیں اور تحقیق کرتے رہیں۔ جہاں بھی آپ کو احمدیت کی صداقت پر دلی یقین آجائے گا۔ آپ خدا تعالیٰ کے حضور اسی وقت احمدی شمار ہونے لگیں گے۔ بیعت درحقیقت دل کی ہوتی ہے۔ یہ ظاہری بیعت تو محض نظام کے قیام کے لئے ہے۔ اگر ظاہری بیعت نہ ہو تو ممکن ہے کوئی شخص دھوکا سے دوسرے کو کہہ دے کہ وہ احمدی ہے حالانکہ وہ احمدی نہ ہو۔ یا ممکن ہے وہ رشتے لینے کے لئے احمدیت کا اظہار کر دے حالانکہ وہ سچے دل سے احمدی نہ ہو۔ پس یہ ظاہری بیعت نظام کو قائم رکھنے کے لئے ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ظاہری بیعت کے بغیر کوئی شخص احمدی نہیں ہو سکتا۔ جس دن کوئی شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام سچے ہیں اسی دن وہ احمدی ہو جاتا ہے اور جس دن کوئی شخص یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ خلیفۂ وقت کی بیعت ضروری ہے اسی دن وہ مبائعین میں شامل ہو جاتا ہے خواہ اسے بیعت کا خط لکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے اور خواہ اس کی احمدیت کا کوئی گواہ ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ خدائی فیصلے قلوب کی حالت پر ہوتے ہیں۔ اس ڈاک پر نہیں ہوتے جو انگریز پہنچاتے ہیں۔ فرض کرو آج انگریزی حکومت ڈاک کی آمد و رفت بند کر دے اور لوگ بیعت وغیرہ کے لئے خطوط نہ لکھ سکیں تو کیا اس وقت جماعت کی ترقی رک جائے گی اور لوگ احمدی نہیں ہوں گے؟ لوگ پھر بھی احمدی ہوں گے اور جماعت کی ترقی پھر بھی ہوتی رہے گی کیونکہ خدا دل کی حالت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اگر کسی شخص کو یقین کامل کے بعد ظاہری بیعت کا موقع ملے اور وہ پھر بھی نہ کرے تو بے شک یہ اس کی ضد سمجھی جائے گی لیکن اگر کسی شخص کو خط لکھنے کا موقع نہ ملے اور احمدیت کی صداقت اس کے دل میں گھر کر جائے تو وہ اسی وقت سے احمدی سمجھا جائے گا۔ خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو اور خواہ دنیا میں اس کی احمدیت کا کوئی گواہ ہو یا نہ ہو۔ دنیا میں کئی ایسے علاقے ہیں جہاں ڈاک کا کوئی انتظام نہیں، چین کے بعض حصے ایسے ہیں جہاں ڈاک کا انتظام نہیں، صوبہ سرحد کے بعض

علاقوں میں بھی ڈاک کا کوئی انتظام نہیں۔اب کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ان علاقوں میں کوئی احمدی نہیں ہو سکتا۔اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو وہ غلطی کرتا ہے کیونکہ جس دن کوئی شخص اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ مَیں نے احمدیت کو قبول کر لیا اسی دن سے وہ خدا کے نزدیک احمدی سمجھا جاتا ہے اور جس دن کوئی شخص یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ خلیفہٗ وقت کی بیعت ضروری ہے اسی دن سے خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مبائع سمجھا جاتا ہے۔غرض عقائد اور ایمان کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے اور انسان ان کے بارہ میں جلدی فیصلہ نہیں کر سکتا اس لئے ہر انسان کو سوچ کر اور غور و فکر کرنے کے بعد کوئی راستہ اختیار کرنا چاہیئے اس کے بعد اگر وہ اس عقیدہ اور مذہب پر مضبوطی سے قائم نہیں رہ سکتا تو درحقیقت اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے پہلے بھی صداقت پر غور نہیں کیا تھا۔اگر وہ سوچتا اور غور کرتا تو کس طرح ممکن تھا کہ وہ ایک قیمتی چیز کو یونہی رائیگاں کھو دیتا۔مَیں نے جیسا کہ بتایا ہے میرا خیال یہ ہے کہ بچپن میں جب انسان کی صحیح رنگ میں تربیت نہیں ہوتی تو اس کے اندر بے استقلالی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔جس طرح بچوں کے دل میں کھلونوں کے متعلق شدید خواہش پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح بڑے ہو کر جب زندگی کے اہم مسائل اس کے سامنے آتے ہیں تو وہ ان سے بھی کھلونوں جیسا سلوک کرنا چاہتا ہے لیکن چھوٹی عمر میں تو اس کے سامنے کھلونے ہوتے ہیں جن کے ٹوٹنے سے کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا اور بڑی عمر میں ایسی اہم اور ضروری چیزوں سے جن کے ساتھ ان کی ابدی یا سفلی زندگی وابستہ ہوتی ہے وہ کھلونوں کا سا سلوک کرتا اور ان کو توڑ کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا لیتا ہے۔ جس طرح بچپن میں وہ کبھی گھوڑے کے لئے روتا اور چلّاتا ہے اور جب وہ اسے مل جاتا ہے تو اسے توڑ دیتا ہے کبھی ریل کے لئے روتا اور چلّاتا ہے اور جب وہ اسے مل جاتی ہے تواسے توڑ دیتا ہے۔کبھی چکی کے لئے روتا اور چلّاتا ہے اور جب وہ اسے مل جاتی ہے تو اسے توڑ دیتا ہے۔اسی طرح بڑے ہو کر وہ خدا اور اس کے رسول

اور اس کے دین اور اس کے قرآن اوردوسری اہم چیزوں سے جو نہایت ہی پاکیزہ ہوتی ہیں اور جن کے ساتھ اس کی روحانی زندگی وابستہ ہوتی ہے یہی سلوک کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے خدا مل جائے اورجب وہ مل جاتا ہے تو اسے پھینک دیتا ہے۔ کبھی کہتا ہے رسول مل جائے اور جب وہ مل جاتا ہے تو اسے پھینک دیتا ہے۔ کبھی کہتا ہے امامِ وقت مل جائے اور جب وہ مل جاتا ہے تو اسے پھینک دیتا ہے۔ گویا اسے یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ پس مومن کو اپنی عادات میں پختگی پیدا کرنی چاہیے اور جب وہ دیانتداری کے ساتھ کسی سچائی کو قبول کر لے تو اس کے بعد فاسد خیالات اور غفلتوں کا اسے مقابلہ کرنا چاہیے۔ سچائیاں سورج کی طرح چمکتی ہیں۔

پس مومن کو چاہیے کہ وہ سچائی کو اسی وقت مانے جب سورج کی طرح اسے کسی سچائی پر یقین پیدا ہو جائے پھر جس طرح سورج پر کسی کو یقین پیدا ہو جاتا ہے تو شکوک و شبہات سے وہ اس یقین کو باطل نہیں کیا کرتا اور نہ لوگوں سے دلیلیں پوچھنے جاتا ہے کہ سورج چڑھنے کی کیا دلیل ہے اسی طرح مومن کو معمولی معمولی عذرات کی بناء پر سچائی کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا فرض ہے کہ جب وہ کسی سچائی کو قبول کرنے لگے تو خوب غور کرے، استخارہ کرے، نمونہ دیکھے، دعاؤں سے کام لے، دلائل کا موازنہ کرے۔ غرض اپنے دل کا کامل اطمینان کر کے سچائی قبول کرے۔ جب وہ ان چاروں دلائل سے کام لے لے گا، وہ نمونہ بھی دیکھ لے گا، وہ مشاہدہ سے بھی کام لے لے گا، وہ دلائل عقلیہ کا بھی جائزہ لے لے گا اور پھر خدا سے بھی پوچھ لے گا تو ان چار شواہد کے بعد جو چیز اسے ملے گی وہ ایسی یقینی اور قطعی ہو گی جیسے سورج۔ اس کے بعد اگر پھر کسی وقت اس کے دل میں شبہ پیدا ہو تو وہ خدا سے استغفار کرے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ یہ چاروں شواہد غلط ہوں۔ اب یہ سچائیوں کا کام نہیں کہ وہ اس کے پاس جائیں اور اپنی سچائی ثابت کریں بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے

اگر گناہ کی وجہ سے اس کے دل میں یہ نقص پیدا ہوا ہے تو توبہ کرے اور اگر کسی اور بیماری کی وجہ سے اس کے اندر یہ خرابی پیدا ہوئی ہے تو اس بیماری کا علاج کرے۔ بہرحال اب یہ آفتاب کا کام نہیں کہ اسے اپنے وجود کا ثبوت دے بلکہ آفتاب کو تسلیم کرنے کے بعد جب یہ منکر ہو گیا تو اب اس کا اپنا فرض ہے کہ آنکھوں کی بیماری کو دور کرے۔اسی لئے کہتے ہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سچائیاں آتی ہیں وہ بھی اپنی ذات میں اپنی صداقت کا آپ ثبوت ہوتی ہیں۔لوگوں کو کوئی مجبور نہیں کرتا کہ ان کو مانیں۔ہاں جب کوئی شخص ان کو ماننے کے بعد انکار کرتا ہے تو وہ مجرم ہوتا ہے۔کیونکہ اگر اس نے جانتے بوجھتے ہوئے ان کو ردّ کر دیا ہے تو یہ بھی جرم ہے اور اگر اس نے پہلے ان کے متعلق غور سے کام نہیں لیا تھا تو یہ بھی اس کا اپنا قصور ہے۔ بہرحال اب یہ ان چیزوں کا کام نہیں ہوتا کہ وہ اس کے سامنے آئیں اور اپنی سچائی کا ثبوت پیش کریں بلکہ اس کا اپنا کام ہوتا ہے کہ دیکھے کس نقص کی وجہ سے اس میں یہ تغیّر پیدا ہوا ہے۔اگر اس کی وجہ اس کے گناہ ہوں تو وہ ان کا علاج کرے اور اگر کوئی اور نقص ہو تو اس کی اصلاح کرے۔

پس استقلال پیدا کرو اور یاد رکھو کہ استقلال کے بغیر قطعی ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ ایمان بھی کیا ہے کہ صبح کو انسان اِدھر ہو اور شام کو اُدھر۔ یہ بچوں والی بات ہے۔ جس طرح ایک چھوٹا بچہ مٹی کا گھوڑا لے کر اسے توڑ دیتا ہے۔ اسی طرح تم خدا لے کر اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہو، تم خدا کا رسول لے کر اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہو، تم مسیح موعود لے کر اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہو، تم دین اور مذہب کے احکام اور نظام کی نعمت حاصل کرنے کے بعد اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہو۔ مگر بچہ تو پھر بھی کھلونوں کو توڑ سکتا ہے لیکن تم ان چیزوں کو نہیں توڑ سکتے اور اگر تم ان چیزوں کو توڑنے کی کوشش کرو گے تو خود اپنے آپ کو

توڑ لو گے۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ کتنے آدمی ہماری جماعت کے اندر سے نکل کر ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے پھر ان کا کیا حشر ہوا اور کس طرح وہ جماعت کو توڑنے کی بجائے خود ہی ٹوٹ کر رہ گئے۔ مصری صاحب کو ہی دیکھ لیا جائے جب وہ ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو جماعت کے کئی دوست گھبرا گئے تھے اور وہ خیال کرتے تھے کہ اتنے بڑے عالم کا جو مدرسہ احمدیہ کا ہیڈ ماسٹر ہے اور اکثر نوجوان علماء اس کے شاگرد ہیں، جماعت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا جماعت کے لئے مشکلات پیدا کر دے گا مگر پھر کیا ہوا ؟ جماعت تو اسی طرح قائم ہے جس طرح پہلے قائم تھی مگر خود ان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے پہلے عقائد کو ترک کر چکے ہیں۔ گویا جماعت کو توڑنے کی بجائے وہ ٹوٹ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک وقت وہ تھا کہ مصری صاحب نے لکھا "دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے صحیح عقائد و تعلیم پر قائم ہو بجز اس جماعت کے جس نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا ہوا ہے۔"[3]

گویا مصری صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم اور عقائد کی صحیح حامل ہماری جماعت ہی تھی۔ مگر اب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ یہ تقریریں کرتے پھرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صحیح جانشین جماعت لاہور ہے۔ چنانچہ 13 جولائی کو انہوں نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"حضرت مسیح موعود کی صحیح جانشین جماعت احمدیہ لاہور ہے۔ اسی جماعت کے ذریعہ حضرت مسیح موعود کا مشن پورا ہو رہا ہے۔"[4]

پھر گزشتہ سال 25 دسمبر کو انہوں نے غیر مبائعین کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی نبوت سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ:۔

"حضرت مسیح موعود کی کتب کے مطالعہ سے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ... آپ کا دعویٰ محدثیت کا ہے گو آپ کو محدثین میں خاص اور امتیازی درجہ حاصل ہے۔" 5

اب کوئی بتائے کہ مصری صاحب کے دعوے کہاں چلے گئے۔ وہ تو کہا کرتے تھے کہ "مَیں جماعت کا باقاعدہ فرد ہوں۔ جماعت سے مَیں الگ نہیں ہو سکتا" "مَیں خلافت کا قائل ہوں" "حق کی قوت میرے ساتھ ہے۔" 6

پھر اگر واقع میں حق کی قوت ان کے ساتھ تھی اور اگر واقع میں وہ ہماری جماعت کے عقائد کو درست تسلیم کرتے اور خلافت پر ایمان رکھتے تھے تو وجہ کیا ہے کہ پہلے وہ کچھ کہا کرتے تھے اور اب وہ کچھ کہنے لگ گئے ہیں۔ آج سے چند سال پہلے تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے، خلافت کو درست تسلیم کرتے تھے، ہماری جماعت کے عقائد کو عقائد صحیحہ مانتے تھے مگر چند سال کے بعد ہی انہیں نظر آنے لگ گیا کہ یہ سب کچھ جھوٹ اور باطل تھا اور انہوں نے کوشش کی کہ جماعت کو توڑ دیں مگر جماعت کو انہوں نے کیا توڑنا تھا خود ہی عقائد کے لحاظ سے وہ ٹوٹ گئے۔ تو اللہ اور رسول اور اس کی جماعتیں کبھی ٹوٹ نہیں سکتیں۔ ہاں جو لوگ ان سے کھیل کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بے شک ٹوٹ جاتے ہیں۔ پہلوں کے واقعات ہم نے قرآن میں پڑھے تھے اور اس زمانہ کے واقعات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں۔ آج تک مَیں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو سلسلہ اور اس کے نظام پر حملہ کرنے کے لئے کھڑا ہؤا ہو اور پھر خدا نے اس کی طاقت کو توڑ نہ دیا ہو۔ تھوڑے ہی دن ہوئے ایک شخص نے مجھے لکھا کہ پنجاب کے ایک بہت بڑے آدمی کے ایک قریب ترین رشتے دار نے اس سے ذکر کیا کہ جب احرار اپنے فتنہ میں ناکامی کا مُنہ دیکھ چکے تو پیغامیوں کا ایک بہت بڑا آدمی ان کو ملا (سب نام مجھے معلوم ہیں مگر مصلحتاً شائع نہیں کرتا) اور کہا کہ آپ نے

ہزاروں روپیہ احرار کی تحریک پر صرف کیا ہے۔اگر اس سے نصف بھی آپ ہمیں دیتے تو ہم احمدیوں کو کُچل کر رکھ دیتے۔وہ کہتے ہیں۔میرے خسر نے یہ سن کر دلچسپی کے ساتھ باتیں کرنی شروع کر دیں اور دریافت کیا کہ وہ احمدیوں کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور اس بارہ میں کیا انتظام کرنا چاہئے۔

ان لوگوں نے ہمیں مٹانے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ہزاروں روپیہ مسلمانوں سے اس غرض کے لئے وصول کیا مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا ؟نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کبھی تو اپنے متعلق یہ فخر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ ہم پچانوے فی صدی ہیں اور یہ پانچ فی صدی چنانچہ غیر مبائعین کے چھ سرکردہ احباب نے ''ضروری اعلان'' کے ماتحت لکھا ''ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے۔''7 گویا پانچ فی صدی لوگ ہمارے ساتھ تھے اور پچانوے فی صدی لوگ ان کے ساتھ۔مگر اب پچانوے فی صدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں اور پانچ فی صدی ان کے ساتھ۔پھر بھی ان کے نزدیک ہم جھوٹے بھی ہیں جب وہ اپنے آپ کو زیادہ اور ہمیں تھوڑے بتاتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ چونکہ ہم زیادہ ہیں اس لئے ہم سچے ہیں اور چونکہ تم تھوڑے ہو اس لئے تم جھوٹے ہو مگر اب چونکہ ہمارے مقابلہ میں وہ تھوڑے ہو گئے ہیں اس لئے کہا کرتے ہیں کہ مومن تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔اکثریت گمراہ لوگوں کی ہوا کرتی ہے۔یہ ایک عجیب منطق ہے جس کو وہی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی دن ہم اس لئے غلطی پر تھے کہ ہم تھوڑے تھے اور آج ہم اس لئے غلطی پر ہیں کہ ہم زیادہ ہیں۔مگر یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ہم نے اپنی آنکھوں سے تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ خدائی سلسلہ کو کوئی شخص توڑ نہیں سکتا۔یہ انسان کی اپنی غلطی ہوتی ہے کہ وہ ایک سچائی کو قبول کرتا اور پھر معمولی معمولی شبہات میں مبتلا ہو کر اس کو رد کر دیتا ہے۔اگر وہ سچائی پر سورج کی طرح یقین رکھتا تو ناممکن تھا کہ وہ اسے ماننے کے بعد اس سچائی کو رد کر دیتا۔مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ وہی بچپن کی عادت ہے

جو بڑے ہو کر بھی بعض انسانوں میں قائم رہتی ہے۔ مگر اُس وقت تو وہ جن چیزوں کو توڑتا ہے وہ معمولی کھلونے ہوتے ہیں لیکن بڑے ہو کر جن چیزوں کو کھلونا سمجھتے ہوئے توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ بڑی بڑی اہم اور مہتم بالشان ہوتی ہیں اور ان کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے خود ٹوٹ جاتا ہے گویا اس کی مثال اس چیتے کی سی ہوتی ہے جس نے ایک سل کو دیکھا اور اسے چاٹنے لگ گیا چاٹتے چاٹتے اس کی زبان سے خون بہنے لگ گیا اوروہ اس خون کو غذا سمجھ کر چاٹتا گیا یہاں تک کہ اس کی تمام زبان کھائی گئی۔ ایسے لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم سلسلہ کو تباہ کر دیں گے مگر جب وہ اپنا کام ختم کر کے بیٹھتے ہیں تو انہیں پتہ لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ختم کر چکے ہیں لیکن مومن اگر اس قسم کی لغزشوں کے بعد وقت پر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ایسے مومن کی مدد کرتا اوراس کا ساتھ دیتا ہے۔"

(الفضل 20 اگست 1941ء)

---

1 بخاری کتاب الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

2 پیغامِ صلح 3 اگست 1937ء صفحہ 3

3 اشتہار 13 جولائی 1937ء بعنوان جماعت کو خطاب

4 پیغامِ صلح 30 جولائی 1941ء

5 پیغامِ صلح 8 جنوری 1941ء

6 اشتہار 13 جولائی 1937ء

7 پیغام صلح 5 مئی 1914ء